ن ۔م راشد کا تنقیدی شعور اور فکری زاویے

ڈاکٹر رحمت علی شاؔد

Dr. Rahmat Ali Shad

Head of Urdu Department,

Govt. Faridia Postgraduate College, Pakpattan.

شفقت ظہور

Shafqat Zahoor

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Govt. College Women University, Faisalabad.

Abstract:

Noon Meem Rashid has served as a captain in army. Basically he was a poet (nazm goo shair) but he has also come up with some excellent prose writings. He is a prolific prose writer with a unique style of his own. In his articles we find the diversity of subjects and novel ideas. He was one of the founders of modern nazm but revolting against the poetic traditions he experimented new forms and techniques in field of modern poetry. It is pity that critics did not pay the due attention to his critical thoughts. His essays aptly reflect fertility of his art as a prose writer.

ن ۔م راشد کا بنیادی تشخص تو ایک شاعر کا ہے لیکن وہ ایک منفرد اسلوب کے ساتھ بہترین نثر نگار کے طور پر بھی سامنے آتے ہیں۔ان کی تحریروں میں نئے امکانات کی تلاش کا عمل نظر آتا ہے۔ان کے ہاں موضوعات کا تنوع دکھائی دیتا ہے اسی لیے جدید طرزِ احساس لیے وہ فلسفیانہ فکر کے نثّار کے طور پر بھی ابھرتے نظر آتے ہیں۔ن۔م راشد کا پورا نام نذر محمد راشد تھا ۔وہ یکم اگست ۱۹۱۰ء کو علی پور چٹھہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔انھوں نے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور سے ایم اے معاشیات کیا تھا۔وہ کچھ عرصہ فوج میں بحثیت کپتان اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ن۔م راشد کی آرمی میں خدمات اور دیگر مصروفیات اور مشاغل کے حوالے سے عبدالحفیظ ظفر رقم طراز ہیں:

''دوسری جنگِ عظیم میں ن ۔م راشد نے تھوڑے عرصے کے لیے رائل انڈین آرمی میں خدمات سرانجام دیں۔انھیں کیپٹن کا عہدہ دیا گیا۔قیامِ پاکستان سے پہلے وہ آل انڈیا

ریڈیو نیو دہلی اور لکھنو میں کام کرتے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں ان کا تبادلہ پشاور کر دیا گیا یہاں وہ ۱۹۵۳ء تک کام کرتے رہے؛ بعد میں وائس آف امریکہ نے ان کی خدمات حاصل کر لیں اور وہ نیو یارک چلے گئے۔ وہ تھوڑے عرصے کے لیے ایران بھی رہے۔ پھر وہ اقوام متحدہ کے لیے کام کرتے رہے۔ اقوامِ متحدہ میں نوکری کے دوران انھیں کئی ممالک میں رہنا پڑا۔''(۱)

بحیثیت شاعر جب بھی ن۔م راشد کا نام لیا جاتا ہے تو ہیئت اور اسلوب کے حوالے سے متعدد قارئین کے ذہنوں میں ان کے متعلق بغاوت کی صدائے بازگشت گونجتی ہے لیکن وہ نہ تو سخن وری سے باغی تھے اور نہ ہی زمانے سے؛ وہ تو فقط اسلوب اور ہیئت کی جکڑ بندیوں کے خلاف تھے۔ وہ چوں کہ آزاد نظم کے بانیوں میں سے تھے اسی وجہ سے انھوں نے روایتی ردیف ،قافیے کی قید سے خود کو مبرّا کر لیا تھا۔ ن۔م راشد بنیادی طور پر ایک نظم گو شاعر تھے لیکن انھوں نے اپنے فلسفیانہ فکری شعور سے متعدد نثری فن پارے بھی تخلیق کیے جس سے ان کا تنقیدی شعور اور فکری زاویے نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔ اگر ان کی تحریروں میں نئے امکانات تلاش کیے جائیں تو ان کے وسیع تنقیدی کینوس کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ انھوں نے متعدد تنقیدی مضامین تحریر کیے ہیں جن میں سے چند اہم اور نمایاں مضامین کے نام یہاں دیئے جا رہے ہیں تا کہ ان کے تنقیدی وژن اور متنوع موضوعات کا اندازہ ہو سکے۔ مثلاً آزاد شاعری، جدید اردو شاعری، نظم اور غزل، شاعری کی تین آوازیں، جدید فارسی شاعری، غالب اور ذوق، زیب النساء اور اس کی شاعری، خسرو کی طلب، غالب ہمارے زمانے میں، غالب ذاتی تاثرات کے آئینے میں، ظفر علی خاں کی شاعری، ایران کی جواں مرگ شاعرہ، چند لمحے اختر شیرانی کے ساتھ، مختار صدیقی کی سی حرفی، جدید شاعری میں زبان کا مسئلہ، مشاعرے کی شام، ہیئت کی تلاش، مبادی تنقید، اردو ادب پر معاشرتی اثر، لاطینی رسم الخط، رسم الخط کا مسئلہ، جدیدیت کیا ہے؟، جدید ادب، پاکستان کی شناخت، ادبیات میں رنگینی، ادبیات میں اجتہاد، ادبیات میں ابتذال، بابر بحیثیت ادیب، نور جہاں کا ادبی فہم، الطاف حسین حالی، ایران میں اقبال، ابوالقاسم لاہوتی، ہیئت کے تجربے، صدائے بازگشت، پروفیسر بخاری، شاہد احمد: کچھ یادیں، یونانی تہذیب: ماضی و حال، عالمِ اسلام میں ایران، عربوں کے ساتھ چند دن، محنت کے پھل مقدر کے تحفوں سے کہیں بہتر ہیں، عراق اور ایران، دیباچہ ماورا، دیباچہ ایران میں اجنبی، مقدمہ نقش فریادی، تنویرات، تبصرے، انار کلی، خدا کی بستی، آگ کا دریا، جاڑے کی چاندنی، ایک درویش کی برسی، تکنیک کی آزادی کی اور اس کا مفہوم، خطبہ صدارت، اسلوبِ بیاں اور تنقید کا مقصد جیسے پر مغز مضامین تخلیق کر کے اپنے آپ کو اردو ناقدین کی صف میں شامل کروالیا۔

ن۔م راشد کے نثر پاروں میں موضوعاتی تنوع دیکھ کر ان کے وسیع مطالعے کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کا فکری رجحان جدید اردو شاعری، جدید ادب اور جدیدیت کی طرف تھا لیکن محض جدت کا نام دے کر ان کے تنقیدی وژن کو کسی مخصوص خانے میں مقید نہیں کیا جا سکتا؛ گو کہ ان کے تنقیدی نظریات کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی بہر حال ان کی تنقیدی تحریروں کی قدر و قیمت کا تعین اپنی جگہ موجود ہے۔ ان کے نثری فن پاروں میں نظری و عملی ہر دو طرح کی تنقید کا رنگ نمایاں ہے جس میں جدید فلسفیانہ فکر کا عنصر در آیا ہے۔ ان کے موضوعی تنوع اور وسیع مطالعے کے متعلق ڈاکٹر فخر الحق نوری رقم طراز ہیں:

''راشد ایک وسیع مطالعہ شخص تھے جو عالمی ادب سے کما حقہ واقفیت رکھتے تھے خصوصاً فارسی اور انگریزی ادب سے گہری شناسائی رکھتے تھے اور اپنے عہد کے علوم وفنون اور فلسفہ و

سائنس کے انکشافات سے بھی آگاہ تھے۔ راشد کی سوچ کے دائرہ کار میں فرد کی نفسیات کا تحلیل وتجزیہ، اجتماعی نفسیات کی بصیرت، فکروخیال اور ہیئت واسلوب کی جدت شامل ہیں۔ ان کا دائرہ تنقید خاصا پھیلا ہوا تھا۔''(۲)

ن۔م راشد کی تنقید محض اردو شاعری کے گرد نہیں گھومتی بل کہ فارسی کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ راشد نے نہ صرف فارسی شاعری پر ایک مفصل مقالہ تحریر کیا بل کہ جدید فارسی شعرا کی نظموں کے تراجم بھی کیے ہیں علاوہ ازیں انھوں نے مختلف شخصیات کے نام جو خطوط تحریر کیے تھے ان کو ۲۰۰۸ء میں نسیم عباس احمر نے ''ن۔م راشد کے خطوط'' کے عنوان سے مرتب کیا؛ ان خطوط سے بھی راشد کے تنقیدی شعور کی ایک نئی جہت کا سراغ ملتا ہے۔ ان کے خطوط جہاں مشاہیر ادب کے ساتھ نجی تعلقات کو ظاہر کرتے ہیں وہاں وہ خط ان کی تنقیدی فکر، تخلیقی صلاحیتوں، فنی خوبیوں اور معروضی نقطہ نظر کے غماز بھی ہیں۔ ان کے خطوط سے تصورِ شعر، شاعری کی فکری صورتِ حال، ان کے ذہنی پس منظر اور نفساتی کیفیات کا پتہ چلتا ہے۔ مختلف شخصیات پر تنقید کرتے ہوئے ان کا انداز استدلالی اور تجزیاتی ہو جاتا ہے، ان کے خطوط سے ان کی باطنی کیفیات کے ساتھ ساتھ ان کے اسلوبِ نگارش اور تنقیدی نظریات کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔ خطوط؛ سادہ اور بے تکلف زبان میں تحریر کیے گیے ہیں جن میں بے پناہ محبت، لطافت اور اپنا پن جھلکتا محسوس ہوتا ہے۔ ان کے خطوط میں نفسی میلانات اور جدید فکری رجحانات کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے تنقیدی شعور اور تراجم کے حوالے سے افتخار عارف لکھتے ہیں:

''راشد جدید شاعری کا معتبر اور مستند حوالہ بن کر سامنے آرہا ہے۔ تنقید اور تراجم کے شعبے میں بھی انھوں نے یادگار تحریریں سپردِ قلم کی ہیں۔ اکادمی ادبیات پاکستان نے معروف سلسلے 'پاکستانی ادب کے معمار' کے تحت راشد کے احوال وآثار پر محیط اس اشاعت کا اہتمام کیا تاکہ ہماری آئندہ نسلیں ان کی خدمات سے روشنی حاصل کرتی رہیں۔''(۴)

ن۔م راشد کے خطوط میں تنقیدی افکار اور ان کے بیشتر مسائل جدید شعری رویوں سے متعلق ہیں؛ ان کی نظر میں جدید ادب فکر واظہار کی سیدھی اور سپاٹ فکر کا نام نہیں ہے بل کہ انھوں نے ادب کے مقامی اور آفاقی تناظر سے بھی بحث کی ہے۔ ہماری معاصر تنقید بھی اسی بحث کے گرد گھومتی ہے۔ ان کا ایک اہم مضمون 'مبادی تنقید (اظہار اور ہم کلامی)' ہے جس میں متن، قاری، قرات اور مصنف کے متعلق چند پیچیدہ مسائل کو بڑی عمدگی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ آج کی تنقید روایتی تصورات سے آگے نکل چکی ہے۔

اپنے جذبات اور خیالات کو سماج تک پہنچانا ایک فطری عمل ہے وہ اس لیے کہ زندگی میں اس کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ کوئی بھی فن پارہ اس وقت تکمیل آشنا ہوتا ہے جب اسے اچھا قاری اور سامع میسر آجاتا ہے کیوں کہ متن کو قاری یا سامع ہی ایک نئی زندگی دیتا ہے۔ ن۔م راشد متن اور قاری کے رشتے کو دلوں پر تجربے کے عکس کی صورت میں دیکھتے ہیں لیکن شاعر کی بنائی ہوئی تصویر کو قارئین اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے دیکھتے اور پرکھتے ہیں۔ اسی حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''چناں چہ شاعر خواہ کتنا ہی صاحبِ ہوش اور نزاکتِ حس کا مالک ہو قاری کے ذہن میں وہی تصویر پیدا نہیں کر سکتا جو اس کے ذہن کی آنکھوں نے دیکھی ہے اس کے علاوہ صحیح اکتساب

کرنے کے لیے قاری کی اپنی ذہنی تربیت، اس کا ماحول اور اس کے گزشتہ تجربات بھی اثر انداز ہوتے ہیں چناں چہ شاعر کے تجربے کا عکس مختلف انسانوں کے دلوں پر مختلف درجے کا ہوتا ہے۔۔۔ گویا شاعری کو دو پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے ایک تو خود شاعر کے نقطہ خیال سے جس کے ذہن سے شعر پیدا ہوتا ہے اور دوسرے سننے یا پڑھنے والے کے نقطہ خیال سے جو فن سے اکتساب کرتا ہے۔'' (۴)

ن ۔م راشد کے زیادہ تر خیالات، نظریات اور تنقیدی مقالات جدید شعری ہیئتوں کے متعلق ملتے ہیں۔ ان کو محض تجربوں کی خواہش نہیں تھی بل کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے عہد اور سماج کی زندگی کو بیان کرنے کے لیے ایسی ہیئت ناگزیر ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر خیال کو اس کی مناسبت سے ہیئت مل جائے تو اعلیٰ ادب وجود میں آتا ہے۔ ان کو اس بات کا شدت سے اندازہ تھا کہ شاعری میں ردیف، قافیے کا التزام اظہار کے راستے میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے کیوں کہ آزاد نظم میں ہیئت اور تکنیک کے تجربات نہ ہونے کی بدولت شاعر عظمتِ خیال اور جدید مفاہم تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اس لیے ضروری ہے کہ اس طرح کے تجربوں کو نئے احساس اور جدید آہنگ میں پیش کیا جائے۔ ن۔م راشد کے خیال میں جدید شاعری نیا شعور اور نیا احساس رکھتی ہے۔ الطاف حسین حالی کی طرح ن۔م راشد نے بھی ہیئت کے تجربات کو ضروری سمجھا۔ یہ تجربات شاعری میں نئے مضامین و موضوعات یعنی جدت کی طرف نقشِ اوّل ثابت ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے ن۔م راشد اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

''ادب میں نئی زندگی سے نئے موضوع پیدا ہوئے ہیں اور نئے موضوع کے ساتھ لازماً نئی صورتیں، نئے ادبی روپ، نئے طرزِ نگارش لائے ہیں۔ نثر کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور نظم بھی اب غزل، رباعی، مسدّس، مخمس وغیرہ گنتی کی پرانی پٹریوں کو چھوڑ کر ایک ایسی شاہراہ پر چلنے لگی ہے جس سے قدم قدم پر کئی چھوٹے رستوں کی نمود کا امکان ہے۔'' (۵)

ن ۔م راشد نے روایتی جکڑ بندیوں کو توڑ کر نئی ہیئتوں کی کوکھ سے اظہارِ خیال کے نئے شگوفے اور جدید نظریات تراشے؛ اسی وجہ سے ان کو پاکستانی ادب کا جدید اور اعلیٰ معمار گردانا گیا۔ روایتی اور قدیم سوچ میں بری طرح جکڑے ہوئے اسیر ذہن جو نئی ہیئتوں اور جدت کے خلاف تھے؛ ن۔م راشد ان سے ہمیشہ اختلاف کرتے رہے کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ جدید دور میں ہماری ضرورت ہے۔ نئی ہیئتوں کی ناگزیریت کے حوالے سے ڈاکٹر ضیاء الحسن ایک جگہ لکھتے ہیں:

''راشد سمجھتے تھے کہ نئی زندگی کو بیان کرنے کے لیے پرانی اصناف، پرانی ہیئتیں اور پرانا اسلوب ناکافی ہے اس لیے نئی ہیئتیں ناگزیر ہیں کیوں کہ نئی ہیئتیں نیا اسلوب بھی لائیں گی اور نئے موضوعات بھی جس سے نئے استعارات اور لفظیات پیدا ہوں گی۔'' (۶)

اگر ادب کی آبیاری مقصد ہے؛ تو بعض اوقات روایات کا تسلسل ضروری سمجھا جاتا ہے کیوں کہ ادب روایات کی تعمیر کرتا ہے اور روایات ادب کو بنیاد فراہم کرتی ہیں؛ وہ اس لیے کہ ادب اور روایات لازم و ملزوم ہیں۔ اردو ادب کا دامن میر شناسی، غالب شناسی، اقبال شناسی، فیض شناسی اور راشد شناسی کی روایات سے متصل ہے لیکن ن۔م راشد کی شخصیت متنازع ہونے کی وجہ سے ان کا فن بھی متنازع ہو گیا۔ ان کی شخصیت اور فن متنازع ہونے کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ ان کا نذرِ آتش ہونا

ہے؛ بہر حال اکیسویں صدی راشد شناسی کے لیے اہم ثابت ہوئی۔ راشد شناسی کی ادبی روایات کو نمو دینے میں کرشن چندر، حیات اللہ انصاری، ڈاکٹر آفتاب احمد، سلیم احمد، پطرس بخاری، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر سلیم اختر، عزیز احمد، ڈاکٹر تبسم کا شمیری، ڈاکٹر خواجہ زکریا، ساقی فاروقی، ڈاکٹر سعادت سعید، پروفیسر فتح محمد ملک، وارث علوی، شمس الرحمان فاروقی، ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر فخر الحق نوری، ڈاکٹر شمیم حنفی، مظفر علی سید، ڈاکٹر ضیاء الحسن، ڈاکٹر عزیز ابن الحسن، ڈاکٹر ناصر عباس نیر ، ڈاکٹر ثمینہ شکیل کے نام نمایاں ہیں۔

بعض ترقی پسند ناقدین نے ن۔م راشد کے متعلق غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کیا۔ ترقی پسند ناقدین کو؛ ان کی شاعری میں محض جنسیت اور فراریت نظر آئی؛ پہلی مرتبہ محمد حسن نے اپنے ایک مضمون 'ن۔م راشد: ایران میں اجنبی' لکھ کر ترقی پسندوں اور دیگر ناقدین کو آئینہ دکھایا۔ راشد کی تنقیدی فکر کا مطالعہ دراصل خود ان کی شاعری کے بنیادی حوالوں سے آگاہی ہے۔ ان کے مطالعے کا بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ ان کے عہد کا قاری ان کے اسلوبِ بیاں سے پوری طرح مانوس نہیں تھا؛ ویسے بھی ان کی مشکل پسندی اور ابہام اردو کے مخصوص قارئین کے لیے پریشان کن رہے؛ ویسے تو تخلیق کار کو اظہار کی دشواریوں اور کرب سے گزرنا پڑتا ہے۔ نامانوس الفاظ اور تراکیب کا استعمال بعض اوقات اس کی مجبوری بن جاتا ہے۔ قدیم تراکیب و تمثیلات کے حوالے سے وہ جس طرح ناپسندیدگی اور غم و غصے کا ظہار کرتے تھے وہ کئی جگہوں پر ان کا نفسیاتی مسئلہ بن جاتا ہے۔ ان کے نزدیک بغاوت ادب کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ ان کا تنقیدی و تخلیقی ذہن فکر و اسلوب دونوں کے تعلق سے کسی طرح کی تقلید کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ ہیئت اور موضوع دونوں میں تبدیلی کے خواہاں تھے؛ ان کی نظر میں جدیدیت اسی تبدیلی کی علامت ہے۔ وہ اپنے ایک مضمون 'جدیدیت کیا ہے' میں اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''اردو میں اب تک اس عمداً انحراف کی جو مثالیں ملتی ہیں ان میں ایک طرف تو ہیئت کی آزادی ہے یعنی قافیے اور مصرعے کے ارکان اور بندوں کی ترتیب میں آزادی؛ اس کی بڑی وجہ ہے یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں شعر کو روایتی قالب میں ڈھالتی ہیں اور جب تک شاعر اس روایتی قالب کو توڑ کر آزاد نہ ہو سکے روایتی موضوعات یا تصورات یا طرزِ بیان سے بچ نہیں سکتا اور یہ طرزِ خیال بذاتِ خود جدیدیت کا حامل ہے کہ شاعر کو روایتی تار و پود سے الگ رہ کر شعر کہنا چاہیے۔''(۷)

ن۔م راشد نے اردو نظم میں ہیئت اور تکنیک کے اچھوتے تجربے کیے۔ جہاں تخلیقی سطح پر شعری تجربات اپنی مثال آپ ہیں وہاں ان کا تنقیدی شعور بھی بنیادی اہمیت کا حامل ہے لیکن افسوس کہ جس طرح ان کو جدید نظم گو شاعر کے طور پر پہچان ملی اس طرح ان کے تنقیدی نظریات اور فکری زاویے توجہ سے محروم رہے۔ اس کی شاید بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے وہ تمام مضامین پہلے مربوط کی صورت میں موجود نہیں تھے۔ ان کی تنقیدی صلاحیتوں کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر کچھ اس طرح اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں:

> ''ن۔م راشد جدید نظم کے معروف ترین شاعر ہیں۔ جدید شاعری کا تذکرہ ان کے نام اور کام کے بغیر نامکمل رہ جاتا ہے لیکن کبھی کسی نے ان کی تحریروں کی طرف توجہ نہ دی اس لیے

یہاں راشد کا نام بحیثیت ایک نقاد اور وہ بھی نفسیاتی نقاد یقیناً باعثِ تعجب ہو سکتا ہے۔ یہ تعجب خیز سہی لیکن یہ حقیقت ہے کہ راشد کا بھی بلاشبہ قدیم نفسیاتی ناقدین میں شمار کیا جا سکتا ہے۔''(۸)

ن۔م راشد نے نہ صرف مختلف شخصیات بل کہ دیگر متنوع موضوعات پر مفصل اور مدلل مضامین تحریر کر کے اپنے اسلوبِ بیاں کی بدولت اپنے آپ کو ناقدین کی صف میں بھی شامل کر لیا ہے۔ انھوں نے اسلوب بیان کو زبان کی وہ خوبی قرار دیا ہے جو پوری طرح ہمارے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرے۔ تخلیق شعر میں انھوں نے الفاظ کو بنیادی اہمیت دی ہے کیوں کہ جذبات و احساسات اور تخیلات کی ترجمانی بہت حد تک یہی الفاظ ہی کر سکتے ہیں۔

ن۔م راشد مختلف ادبا کے متعلق جو رائے رکھتے تھے بغیر لگی لپٹی بیان کر دیتے تھے۔ مثلاً وہ علامہ اقبال کی عظمت کے قائل ہونے کے باوجود ان کی نظریاتی یکسانیت کے قائل نہیں تھے، اختر شیرانی کو رومان پرور شاعر سمجھتے تھے، جوش کے دہرے اور حسن پرست کردار کے تضاد نے جو فکری تضاد پیدا کیا وہ اسے ذہنی فکر کا شدید فقدان گردانتے تھے۔ حفیظ جالندھری کو ان کے شعری آہنگ کی بدولت جدید شعرا کا استاد تسلیم کرتے تھے۔ ظفر علی خان کو اردو شاعری کی ہجو یہ روایت میں سودا، مصحفی اور انشاء پر فوقیت دیتے تھے۔ غالب کو نفسیاتی نقطہ نظر سے سمجھ کر ان کو فرائڈ کا پیش رو قرار دے دیا اور قرۃ العین حیدر کا شہرہ آفاق ناول ''آگ کا دریا'' پر لکھے جانے والے تنقیدی مضمون میں انھوں نے حقیقی تجزیاتی انداز اختیار کیا ہے۔

مذکورہ بالا تمام مباحث سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ تنقید کے میدان میں انھوں نے ہمیشہ تنقیدی بصیرت سے کام لیا ہے۔ ان کا تنقیدی شعور اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے۔ کسی بھی فن پارے کا تجزیہ کرتے ہوئے انھوں نے معروضیت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ن۔م راشد کے تنقیدی نظریات مختلف ماہناموں کے اداریوں میں ہوں یا ان کے دیباچوں اور مقدموں میں ان کے فکری نظریات میں رسمی روایتی اور فرسودہ تمثیلات کی بجائے فن، اسلوب، تکنیک، ہیئت، جدید ادب اور لفظوں پر بحث کی گئی ہے۔ اکیسویں صدی کے اوائل میں راشد شناسی پر جہاں اور بہت سی کتب منصۂ شہود پر آئیں وہاں ایک اہم اور بنیادی کتاب ''مقالاتِ ن۔م راشد'' منظرِ عام پر آئی جس میں ان کے کم و بیش تمام تنقیدی مضامین موجود ہیں۔ اس حوالے سے تابندہ سراج لکھتی ہیں:

''ستمبر ۲۰۰۲ء کو شیما مجید نے ''مقالاتِ ن۔م راشد'' کے عنوان سے کتاب مرتب کی؛ اس میں راشد کی نثر کا ضخیم سرمایہ موجود ہے؛ جس میں راشد کے علمی، ادبی، تاریخی اور معلوماتی مضامین سے لے کر تبصرے اور مباحثے بھی شامل ہیں۔ شیما مجید نے بہت محنت سے ان بکھرے ہوئے نثری ٹکڑوں کو سمیٹ کر ایک کتاب کی صورت میں یک جا کر دیا، جس سے راشد کے نثری فن کے پہلوؤں کو با آسانی جانچنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔''(۹)

ن۔م راشد کے مقالات میں موجود فکری تنوع ان کے وسیع المطالعہ ہونے پر دال ہے لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی نثر کے فکری زاویوں اور تنقیدی کینوس کا صحیح سراغ لگانے کی سنجیدہ کوشش ہی نہیں کی گئی حالاں کہ ان کے تنقیدی نظریات کا زمانی پھیلاؤ کم و بیش چار دہائیوں پر محیط ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فخر الحق نوری بتاتے ہیں:

''اگر زمانی پھیلاؤ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو راشد نے تنقید نگاری میں ایک طویل عمر صرف کی۔ ان کے دستیاب تنقیدی مقالوں میں پہلا مقالہ ''اختر شیرانی کے ساتھ چند لمحے'' کے زیرِ عنوان گورنمنٹ کالج لاہور کی مجلسِ اردو کے دوسرے اجلاس منعقدہ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۱ء میں پطرس بخاری کے گھر پڑھا گیا۔۔۔ راشد کا آخری دستیاب مقالہ ''خسرو کی طلب'' ہے جو انھوں نے اپنی وفات سے کچھ ہی عرصہ پہلے قلم بند کیا مگر انھیں اس کی طباعت کو دیکھنے کی مہلت نہ مل سکی؛ یہ مقالہ کراچی کے ادبی جریدے پاکستانی ادب بابت اکتوبر نومبر ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ پہلے اور آخری مقالے کی اشاعت کے بیچ چوالیس سال کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راشد کی تنقید نگاری کا یہ سفر چار دہائیوں سے بھی زیادہ عرصے کو محیط ہے۔''(۱۰)

یہ سچ ہے کہ ن۔م راشد نے اپنے تنقیدی افکار کے حوالے سے کچھ مربوط اور مفصل کتب تحریر نہیں کیں لیکن یہ بات بھی صداقت پر مبنی ہے کہ ان کی تحریروں کے مطالعے سے ان کی تنقیدی بصیرت، تنقیدی فکر اور تنقیدی شعور کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے شعری متن کی مشکل پسندی نے ان کے نثری فن پاروں کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا۔ ناقدین نے ان کی تنقیدی تحریروں کی طرف بہت کم توجہ دی۔ جس کی وجہ سے ان کے تنقیدی افکار خاطر خواہ توجہ حاصل کرنے سے محروم رہے حالاں کہ ان کی تنقیدی فکر کو سامنے رکھے بغیر شاید راشد شناسی کا پوری طرح حق ادا نہیں ہوسکتا۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالحفیظ ظفر، ن۔م راشد: ایک غیر روایتی شاعر، الکاؤنی ایسوسی ایشن، ۱۹۹۸ء، ص:۲۵۹

۲۔ فخر الحق نوری، ڈاکٹر، ن۔م راشد: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۷ء، ص:۸۴۸

۳۔ افتخار عارف، پیش لفظ، مشمولہ: ن۔م راشد: شخصیت اور فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص:۷

۴۔ ن۔م راشد، مضمون: مبادی تنقید: اظہار اور ہم کلامی، مشمولہ: ن۔م راشد: شخصیت اور فن، مرتبین: مغنی تبسم، شہریار، ص:۱۹۰

۵۔ ن۔م راشد، مضمون: ہیئت کی تلاش، مشمولہ: ن۔م راشد: ایک مطالعہ، کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۶ء، ص:۳۴۹

۶۔ ضیاء الحق، ڈاکٹر، ن۔م راشد: شخصیت اور فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص:۱۱۰

۷۔ ن۔م راشد، مضمون: جدیدیت کیا ہے، مشمولہ: ن۔م راشد: شخصیت اور فن، ص:۲۱۰

۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نفسیاتی تنقید، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۶ء، ص:۱۱۰

۹۔ تابندہ سراج، مضمون مشمولہ: ن۔م راشد شخصیت اور فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص:۵۶

۱۰۔ فخر الحق نوری، ڈاکٹر، ن۔م راشد: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۷ء، ص:۸۵۲

☆......☆......☆